www.neweramagazine.com

حیا

از سیدہ انعم بخاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیام

از سیدہ انعم بخاری

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

منال اور حیام کا یوں صبح سویرے اماں بیگم کے ساتھ بیٹھنا اور ایک دوسرے سے مسکرا کر باتیں کرنا حویلی کے باقی افراد کے لیے ایک حیرت کن اور خوشگوار اتفاق تھا۔ وہ کہاں اُن تینوں کو یوں ایک ساتھ بیٹھے دیکھنے کے عادی تھے۔ اس وقت خالدہ بیگم اور نفیسہ بیگم، اماں بیگم کے ساتھ چائے کا مزہ لے رہیں تھیں۔ اُن تینوں خواتین کا ناشتہ بس چائے سے شروع ہوتا اور وہیں پر اُس کا اختتام بھی ہو جاتا۔ ابھی فجر ہوئے مشکل سے ایک گھنٹہ ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے جو موسم مینہ برسانے کی چغلی کھا رہا تھا اب ویسا کچھ بھی نہ تھا۔ برآمدے سے اوپر دکھتے کھلے آسمان سے سورج چمکتا نظر آ رہا تھا۔ حویلی کا برآمدہ سورج کی مدھم روشنی سے روشن تھا۔ لیکن اس گرمی کے موسم میں بھی صبح کی دھوپ نجانے کیوں بھلی لگ رہی تھی۔

"جاؤ۔۔۔ تم دونوں بھی ناشتہ کر لو۔ باقی لڑکیاں بھی اب آتی ہوں گی۔"

خالدہ بیگم کے کہنے پر منال نے حیام کو دیکھتے جواب دیا۔

"میں تو کر لوں گی لیکن یہ حیام محترمہ، کب کہاں کچھ کھاتی ہیں ناشتے کے نام پر؟"

وہ اتنے عرصے سے وہاں رہتی آئی تھی لیکن مجال تھی کہ کسی کو یہ بات معلوم ہوتی۔

"اب ایسے مت دیکھیں مجھے، ٹھیک ہے آپکے ہر مرتبہ پوچھنے پر میں کہتی تھی کہ ہاں۔۔۔ کر لیا ناشتہ لیکن یہ بھی تو دیکھیں نا کہ جھوٹ آپ کا دل نہ دُکھے اس لیے

بولا۔اب آپ کو منہ بھر کر کہہ دیتی کہ مجھ سے نہیں کیے جاتے یہ دیسی گھی میں نچڑتے پراٹھے یا پھر چائے، تو برا لگتا نا؟؟"

خالدہ بیگم کو دیکھتے جواب دیتی حیام نے ساتھ بیٹھی منال کو زور سے مکا مارا۔

"مجھے کیوں مار رہی ہو؟ میں نے تو سچ بتایا ہے یار۔۔۔"

"تو کچھ اور مانگ لیتا ہے انسان۔۔۔اُف! حیام، مجھے سچ میں افسوس ہو رہا ہے کہ تم اتنے مہینوں سے یہاں ہو اور ہم سچ میں تمہارا دھیان نہ رکھ سکے۔"

خالدہ بیگم کو سچ میں افسوس نے آگھیرا۔

"ارے! اُف، مجھے ویسے بھی ناشتہ کرنا پسند نہیں ہے اور یہاں تو ویسے بھی دوپہر کا کھانا جلدی ہو جاتا ہے سو ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی کبھی۔اب ایسا کریں گی تو میں سچ میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔۔۔"

"اے خالدہ!! ایک کام کر۔ چھوٹے شاہ کے کمرے سے وہ نری کالی شے بنانے کی جو مشین ہے، وہ لا کر باورچی خانے میں رکھوا دے اس کے لیے۔"

کافی کی اس عظیم بد تعریفی پر حیام کا تو منہ ہی کھل گیا جبکہ منال چہرہ جھکائے ہنس دی۔

"اماں! دیکھیں آج یہ بات طے کر لیں، اگر دوبارہ آپ نے میری پیاری کافی کی شان میں یوں تعریف کی نا تو یہاں دنگل ہو جائے گا۔"

اُس کی بات پر اماں بیگم مسکرا دیں۔

"تو تُو انسانوں والا ناشتہ کر لیا کر، میں کچھ نہ بولوں گی۔۔۔۔"

"مجھ سے نہیں کھائے جاتے وہ پراٹھے۔۔۔۔"

رونی صورت بناتی وہ منال کو بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے، کچھ اور کر لیا کریں گے ہم دونوں ناشتہ۔ کیا کرو گی؟ چلو بتاؤ، ابھی بنواتی ہوں۔"

"اسپینش آملیٹ اور ساتھ گرم گرم کافی۔"

منال اُس کا منہ تکنے لگی۔

"سنو! اوقات میں رہ کر بات کرو۔ کافی تک تو ٹھیک ہے، وہ سعدیہ بنانا سیکھ لے گی لیکن یہ انگریزوں کی ایجاد کردہ آملیٹ یہاں کسی کو بنانا نہیں آتا۔ خاصا سادہ ناشتہ کرنے کے عادی ہیں مرالہ کے لوگ۔۔"

"اماں!! دیکھ لیں اب اس سے زیادہ میں کمپرومائز نہیں کر سکتی۔"

خالدہ بیگم اور نفیسہ بیگم اب اُٹھ کے جا چکیں تھیں۔ وہاں صرف وہ تینوں ہی موجود تھیں۔

"اچھا، ایک کام کر۔۔۔ تو بنانا سیکھا دے بشیرا کو، وہ بنا دیا کرے گی۔"

"اماں! مجھے تو روز کچھ نیا کھانے کا دل چاہ پڑتا ہے۔"

وہ نظریں آسمان پر ٹِکاتی اُنہیں پاگل کر رہی تھی۔ یا تو وہ سچ میں ایسی ہی تھی یا جان بوجھ کر کرنے پر تلی تھی۔

"اور ویسے بھی میں نے سُنا تھا کہ یہاں تین وقت کا کھانا پینا باہر بن کر پورے گاؤں میں بٹتا ہے۔ ایسا کرتے ہیں رہنے دیتے ہیں۔"

وہ منال کو اشارے سے اُٹھنے کا کہتی وہاں سے اُٹھ گئی۔

"رک جا بی بی!! میری گل غور سے سُن۔ تجھے جو جو یہ عجیب و غریب چیزیں چاہیے ہیں نا باورچی خانے کے لیے؟ وہ لکھ کر دے دے بشیرا کو، سب منگوا دیتی ہوں۔ کل سے دونوں خود بنا لینا۔ اندر کا باورچی خانہ چھوٹے موٹے کاموں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اب ایسی بھی بات نہیں کہ دن میں چار دفعہ چائے بنے تو چاروں مرتبہ باہر تیل جھونک آگ لگا کر پتیلے چڑھائے جائیں۔"

اُن کی باتیں سُن وہ مسکرا دی۔

"اچھا، ٹھیک ہے۔ لیکن ہاں، کافی پیوں گی میں۔۔۔"

وہ کہتی ہوئی جانے کو پلٹی جب منال کی بات اُسے رکنے پر مجبور کر گئی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کافی پاگل لوگ پیا کرتے ہیں۔"

دور کہیں سماعت میں کبھی بہت پہلے آرز حسن کا کہا جملہ گونجا۔۔۔

"میں چائے میں ہی خوش ہوں، محترمہ۔۔ یہ کافی تو پاگل لوگ پیتے ہیں۔"

وہ اداس مسکراہٹ مسکرادی۔ پیچھے مڑ کر منال کو دیکھا جو زمین پر کھیلتے شاہ ویر کو گود میں اُٹھا رہی تھی۔

"اچھا، سنو!! کل سے میں چائے پیوں گی۔ اب خوش؟؟؟"

وہ اُس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنی سُنا کر برآمدے سے چلی گئی جبکہ پیچھے منال اور اماں بیگم اُس کے اس فیصلے پر ایک دوسرے کو تکتیں رہ گئیں۔

وہ اس وقت اپنی ماں کے سامنے بیٹھا تھا۔ اُسکی ماں اور اُسکے درمیان کھانے سے سجی ٹرے پڑی تھی۔ وہ کب سے خاموش اُنہیں تکنے میں مصروف تھا۔

"امی!! بس کردیں، کچھ کھالیں۔ کتنا روئیں گی آپ؟"

اپنی ماں کے ہاتھ پکڑتا وہ فکر مندی سے اُنہیں خاموش کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ خاموش نہ ہوئیں تو وہ ایک مرتبہ پھر بولنے لگا۔

"امی! آپ ایسے کریں گی تو دیکھیں مجھے۔۔۔ میں کمزور پڑ جاؤں گا۔ ابو، جانتی ہیں کہ مجھے کیا کہہ کر گئے ہیں؟ وہ کہہ رہے تھے، آرز۔۔۔ اپنی ماں کا خیال رکھنا۔ آپ ایسے روتی رہیں گی تو وہ اس دنیا کو چھوڑ کر جو گئے ہیں، وہاں دوسری دنیا میں بھی کہاں چین سے جی سکیں گے؟ آپ ایسا چاہتی ہیں کیا کہ وہ وہاں بھی آپ کے لیے پریشان رہیں؟؟"

آرز کی بات پر ندا بیگم نے اپنے آنسو پونچھے اور نہ میں سر ہلانے لگیں۔ ایک رات نے اُنہیں تھکا دیا تھا۔ ابھی تو نجانے ایسی کتنی ہی راتیں اُنہیں تنہا گزارنی تھیں۔

"امی! میں اور بازل تو خود کو سنبھال لیں گے لیکن مشعل، وہ بہت چھوٹی ہے۔ اُسے آپ کو سنبھالنا پڑے گا۔ میں اُسے اکیلا نہیں سنبھال سکتا۔"

وہ کتنا مجبور، کتنا بے بس تھا۔ باپ مر جانے سے بیٹے کیسے یکدم زمہ داریوں کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔

"تم فکر نہیں کرو، اب نہیں رو گیں میں۔ میں اپنے بچوں کو کیسے پریشان کر سکتی ہوں؟ آرز۔۔۔ میں نہیں کر سکتی۔ میں نہیں چاہتی کہ حسن مجھ سے ناراض رہیں وہاں۔

کسی ایک کے جانے سے زندگی کہاں رکتی ہے۔مجھے بھی جینا ہے اپنے بچوں کے لیے۔"

وہ ایک مرتبہ پھر رو دیں تھیں۔وہ اپنی جگہ ٹھیک تھیں۔اُنہوں نے اپنے شوہر کو کھویا تھا۔اُن کے دکھ،اُن کی تکلیف کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا تھا۔آرز بھیگی آنکھوں سے کھانے کو ایک سائیڈ کرتا اپنی ماں سے لپٹ گیا۔وہ رو دینا چاہتا تھا لیکن نہیں رو سکتا تھا۔پہلے اُس کا باپ زندہ تھا تو وہ رو لیتا تھا،اب جب خود باپ کی جگہ بیٹھا تھا تو رونا چاہتا تو بھی نہیں رو سکتا تھا۔

چند لمحے وہ اپنے بیٹے کے سینے سے لگیں روتی رہیں۔جب آنسو مزید بہنا رک گئے تو اُس سے الگ ہوتیں،آنکھوں کے گوشے خشک کرتیں اُس سے پوچھنے لگیں۔

"وہ نہیں آئی؟وہ نہیں آئے گی نا؟"

ندا بیگم کے اس سوال پر آرز نے اپنی ماں کو دیکھا۔

"وہ آجائے گی۔آپ اُس کو چھوڑیں،کھانا کھائیں۔"

ایک مرتبہ پھر وہ کھانے کی ٹرے اُن کے سامنے رکھتا اُن کے لیے پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔

"مطلب وہ نہیں آئے گی۔۔۔۔مجھے جھوٹے دلاسے مت دو آرز۔۔"

لہجہ پھر سے رندھ گیا تھا۔

"میں گیا تھا امی اُسے لینے۔۔ لیکن شاید آپکے بیٹے کی جانب سے دی گئی تکلیف ابو کو کھو دینے سے زیادہ بڑھ کر ہے کہ وہ آ تک نہ سکی۔"

روٹی کا لقمہ بنا اُس نے اپنی ماں کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا۔ندا بیگم اُس کے ہاتھ میں موجود نوالے کو تکنے لگیں۔ہاتھ بڑھا کر اُس کے ہاتھ سے نوالہ پکڑ آرز کے آگے کیا۔

"تم ناراض ہو کر آئے ہو؟ سنو! اُس سے کبھی ناراض نہ ہونا۔ تم ناراض ہو گے تو تمہارے ابو کو تکلیف ہو گی۔ دیکھو، میں بھی ناراض نہیں ہوں۔"

ایک آنسو اُن کی پلکوں کی حدود سے باہر بہہ نکلا۔

"میں اُس سے ناراض ہو ہی نہیں سکتا، امی! میں دل کے ہاتھوں بہت مجبور ہوں، بہت زیادہ مجبور۔۔۔"

اپنی ماں کا ہاتھ تھام اُس نے لقمہ لیا۔

"تمہارے ابو کی آخری خواہش۔۔۔۔۔"

آرز نے اُن کی بات کاٹ اُنہیں پھر سے کھانا کھلانے کو ہاتھ بڑھایا۔اب کے ندا بیگم نے کھا لیا۔

"ابھی اُن سب باتوں کو بھول جائیں۔ان باتوں کا وقت نہیں ہے امی۔۔ابھی صرف آپ کھانا کھائیں، پھر مجھے مشعل کو بھی دیکھنا ہے ابھی۔"

شاید وہ ٹھیک کہتا تھا، ابھی ان سب باتوں کا وقت نہیں تھا۔ابھی قدم سے قدم ملا کر ایک دوسرے کو سنبھالنے کا وقت تھا۔ایک دن یہ سب بدل جانا تھا۔ہاں، جو رشتوں کے چلے جانے سے کمی رہ جاتی ہے وہ کبھی پوری نہیں ہوتی۔زندگی میں ایک خلا سا رہ جاتا ہے لیکن وقت گزرتے گزرتے انسانوں کو مضبوط بنا دیتا ہے، ہر قسم کے حالات سے لڑنا سیکھا دیتا ہے۔

وہ اپنی ماں کو سکون کی دوا دے سُلا کر کمرے سے نکلا۔لاؤنج مدھم جلتی روشنیوں سے روشن تھا۔روشنی اور اندھیرے کا یہ ملا جلا سا منظر آنکھوں کو سکون دے رہا تھا لیکن دل انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔بخاری ہاؤس میں چھائی خاموشی کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔وہ سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر کی منزل پر آیا اور مشعل کے کمرے کی طرف چل دیا۔مشعل کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا جہاں بازل پہلے سے ہی ٹیک لگائے اندر کو کھڑا تھا۔آرز چلتا ہوا بازل تک آیا اور وہیں کھڑا ہو اندر کا منظر دیکھنے لگا۔مشعل بیڈ کے کنارے سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھی تھی۔آنسو رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔سامنے

کھانا پڑا ہوا تھا۔ وہاں ہر ایک کو پکڑ پکڑ کر کھانا کھلانے کا سا حساب تھا۔ پریشے وہیں زمین پر ایک طرف بیٹھی اُس کا ہاتھ تھام اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ مشعل کے آنسو آہستہ آہستہ اپنا وجود کھونے لگے شاید آنسوؤں کا سارا سمندر بہہ چکا تھا۔ وقفے وقفے سے ہچکیوں کا سلسلہ جاری تھا۔

"مشعل! اب کھانا کھالو۔۔۔"

مشعل نے چہرہ اُٹھا کر پری کو دیکھا۔ رونے کے باعث اُس کی آنکھیں بھی سوجھ چکی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میرا باپ مرا ہے پری، میں کیسے کھالوں؟"

بازل نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔

"ٹھیک کہتی ہو تم۔۔ تم کیسے کھا سکتی ہو؟ آج سے چند سال پیچھے جب میں تمہاری جگہ تھی تو میں بھی نہیں کھا سکی تھی۔ یہ جو باپ ہوتے ہیں، اُنہیں نہیں مرنا چاہیے۔ مشعل! یہ اپنے ساتھ ساتھ اولاد کے سر پر سے شفقت کا سایہ اور پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ جاتے ہیں۔"

مشعل نے چہرہ ایک مرتبہ پھر اُس کی جانب کیا۔پری کے آنسو بہنے لگے تھے۔

"یہ بات ہم بہت دیر سے سمجھتے ہیں کہ جو چلا گیا اُس کے لیے شاید مزید زندگی بہت بھاری ہوتی،اُن کے لیے اس دنیا سے چلے جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔اگر ایسا نہ ہو تو ہم اپنے پیاروں کو کیسے تکلیف میں دیکھ سکتے ہیں؟اور یہ بھی تو ہو سکتا تھا نا کہ کل کو وہ بہت تکلیف میں ہوتے اور ہم خود خدا سے اُن کی آسانی کے لیے دعا گو ہوتے۔"

مشعل نے یاد کرنا چاہا اُس کے ابو کتنی تکلیف میں تھے؟ہاں،ایسا بھی تو ہو سکتا تھا نا۔

"خدا کے کیے پر صبر کر لینا اچھا ہوتا ہے۔اور تم سوچو کچھ لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جن کے ماں باپ مر جاتے ہیں اور اُن کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی ہوتا ہی نہیں جبکہ تم۔۔۔۔یا میں بھی۔۔۔۔دیکھو ہم دونوں نے کسی ایک کو کھویا ہے لیکن ہم تنہا نہیں ہیں۔ہمارے ساتھ سب سے قیمتی رشتے موجود ہیں۔"

مشعل اُس کی باتیں بہت دھیان سے سُن رہی تھی۔

"اور تم فکر کیوں کرتی ہو؟یہ جو بھائی ہوتے ہیں نا اگر نبھانے والے ہوں تو وہ بھی دوسرے باپ ہوتے ہیں اور تمہیں کیا اپنے بھائیوں سے یہ اُمید بھی نہیں ہے کہ وہ

تمہارے سر پر ہاتھ رکھ کر تمہارے دکھ سمیٹ لیں گے؟"

مشعل کی آنکھیں نجانے کیسے، پھر بھر آئیں۔ سر نہ میں ہلاتی وہ بولنے لگی۔

"ایسا تو نہیں کہا میں نے۔۔۔مجھے معلوم ہے میرے بھائی میرے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"تو پھر بھائیوں کی بھی ماننا پڑے گی نا تمہیں؟"

بازل اب مزید کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ نم آنکھیں لیے چلتا ہوا وہیں مشعل کے پاس جا بیٹھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آپ جو کہیں گے مانوں گی۔ اب آپ ہی تو ہیں میرا سب کچھ۔۔۔"

بازل نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"چلو، پھر کھانا کھاؤ۔"

"آپ نے بھی تو کچھ نہیں کھایا ہو گا۔ آپ کو بھی کھانا پڑے گا۔"

اُس کا بالکل دل نہ تھا لیکن وہ اُسے کیسے منع کر سکتا تھا۔

"آرز بھائی! آپ بھی آجائیں۔"

پری نے کھڑے ہوتے ہی دروازے پر کھڑے آرز کو مخاطب کیا۔

"نہیں، میں کھا چکا ہوں۔"

بازل نے مڑ کر شکایتی نظروں سے اُسے دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ آرز حسن باتوں میں لگا کر کسی کو بھی پاگل بنا سکتا تھا اور یقیناً اپنی ماں کے ساتھ اُس نے یہی کیا ہے۔ چند ایک لقموں کے علاوہ مجال ہو گی جو وہ کچھ کھا گیا ہوتا۔ بازل کے یوں دیکھنے پر آرز نے نگاہیں پھیر لیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میرے کہنے پر بھی نہیں کھائیں گے؟"

مشعل کی آواز پر وہ اپنی بہن کو دیکھنے لگا۔

"آجائیں۔۔۔"

اُس کے ایک بلاوے پر ایک بھائی کمزور پڑ گیا تھا۔ وہ چلتا ہوا اُن دونوں تک آیا اور وہیں بیٹھ گیا۔ اب وہ لوگ یوں کھانا کھا رہے تھے کہ آرز اور بازل ایک ایک کر اپنی بہن کی بھوک مٹا رہے تھے جبکہ وہ ایک بہن، ماں بن کر اپنے دونوں بھائیوں کو کھانا کھلانے

میں مصروف ہو گئی تھی۔اب ساری زندگی ان بہن بھائیوں کو یونہی ایک دوسرے کا خیال رکھنا تھا۔وہ تینوں دل ہی دل میں یہ عہد کر چکے تھے۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

پری مسکرا کر وہاں سے چلی گئی۔اُن تینوں کو ایک ساتھ وقت گزارنے کی ضرورت تھی۔اب پریشے رحمان، پریشے حسن تھی۔وہ اس گھر کا فرد تھی۔اُسے باقی گھر کے افراد کو بھی دیکھنا تھا۔وہ دل سے اپنی تمام زمہ داریاں، اپنے فرائض نبھا رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام نے اماں بیگم کو اپنا موبائل دے دیا تھا جو وہ چھپا کر رکھتی آئی تھی۔اُس کے مطابق اب اُسے اس کی ضرورت نہ تھی۔اماں بیگم نے اُسے کچھ نہ کہا۔وہ جانتیں تھیں کہ حیام پہلے دن سے خالی ہاتھ نہ تھی لیکن خاموشی پر اکتفا کرنا ہار جانے سا نہیں ہوتا۔وہ اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھی۔خاموش دیواروں کو تکتی کچھ سوچ کر وہ بیڈ سے اُٹھی۔کمرے میں روشنی کے نام پر محض بیڈ کے دونوں اطراف رکھی سائیڈ ٹیبلز پر جگمگاتے لیمپ تھے۔وہ چلتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل تک آئی۔اُسے یاد آیا کہ منال نے اُس کے متعلق کچھ کہا تھا۔نجانے وہ کون سی چیز تھی جس کی اُسے ضرورت پڑ جانی تھی۔

شاید وقت آ گیا تھا کہ وہ اب دیکھ لے۔اُس کے اندر کچھ خالی پن تھا۔اُس نے ڈریسنگ ٹیبل کی جانب ہاتھ بڑھا کر لگا ہینڈل کھینچا تو وہ کسی میز کی طرح باہر کو کھنچتا چلا آیا، بالکل ویسے ہی جیسے کہ شاید اُس نے کہیں آنلائن کسی و نٹیج شوٹ میں دیکھا تھا۔بہت سی ماڈلز وہاں بیٹھ کر یوں ظاہر کرتیں جیسے کہ کوئی خط لکھ رہیں ہوں اور وہ بالکل ویسا ہی تھا۔اور شاید اُسی کام کے لیے کیونکہ وہاں ایک لمبی قطار مختلف طرز کے قلموں سے بھری پڑی تھی۔ایک طرف لکڑی کا بکسہ تھا،اُس سے ملتا جلتا ایک شہر میں بھی تھا حیام کے پاس جس کے اندر آرز کو لکھے ان گنت خط قید تھے۔اُس بکسے کے ساتھ کوڑے کاغذوں کا پلندہ تھا شاید وہ لکھنے کے لیے تھا۔سامنے پڑی کرسی وہ کھینچ کر بیٹھی۔اُس کے ہاتھ کی انگلیاں ہر ایک چیز کو چھو کر محسوس کرنے لگیں۔ایک قلم پر اُس کی نظر ٹھہر گئی،نہ صرف نظر بلکہ اس کی انگلیوں کی حرکت بھی۔سیاہ رنگ قلم جس کی اوپری سطح پر سنہری رنگ سے کچھ لکھا گیا تھا۔بہت غور سے دیکھنے پر وہ وہاں لکھے الفاظ پڑھ پائی۔ وہ الفاظ سرگوشی کی سی مانند اُس کے لبوں سے آزاد ہوئے۔۔۔۔

"خطوط۔۔۔۔لکھو میرے نام۔۔۔۔"

شاید کہ وہ کوئی اشارہ تھا لیکن وہ عہد کر چکی تھی شہر میں کہ اب سے خط نہ لکھے گی۔وہ

اپنے درد کی داستان اتارنے میں کسی بے جان چیز کا استعمال نہ کرے گی لیکن اُس کا دل ضبط کی دیواریں توڑنے لگا۔ وہ آج لکھنا چاہتی تھی۔ اُسے لکھے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ حیام کی روح زخمی تھی۔ وہ اپنے زخم مندمل کرنا چاہتی تھی۔ آخر کار اُس کا ضبط ہار گیا، عہد ٹوٹ گیا۔ وہ قلم کھولتی ایک کاغذ اپنے سامنے کرتی لکھنے لگی۔

سید زادے!

کاش کہ تمہیں بتا سکتی تمہارا آجانا میرے دل کی چلتی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر گیا ہے۔ میرا وجود تمہارے ساتھ کو مچلنے لگا ہے لیکن افسوس! کہ میں مجبور ہوں، میرا بدن میری ہی سسکتی ہوئی آہوں کی قید میں ہے۔ ماضی میں جو ظلم تم نے مجھ پر کیے ہیں اُن کا کوئی مداوا نہیں، ایسا نہیں کہ میں چاہتی ہی نہیں ہوں کہ مداوا ہو بلکہ میں یہ چاہ رکھتی ہوں مجھ مظلوم کا دل بڑھ آئے اور وہ تمہیں معاف کر دے لیکن ایسا نہ ہو پائے گا۔

اب کہ میں جو تمہیں ٹھکرا چکی ہوں تو تمہارا پھر سے واپس آجانا مجھے ایک خواب سا معلوم ہو رہا ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم چلے تو نہیں گئے، شاید کہ تم یہیں کہیں میرے پہلو میں ہی موجود ہو لیکن تم مجھے دِکھ کیوں نہیں رہے؟ مطلب کہ تم جا چکے ہو

اور میری جھولی پچھتاؤں سے بھر گئے ہو۔اب میں یہ سوچتی ہوں تو سو فیصد سچ ہی سوچتی ہوں کہ تمہارا پھر سے آجانا ایک خواب ہے جس کی تعبیر۔۔۔خالی ہے، بے معنی۔۔۔۔۔

تمہاری اسیر

سید زادی

خط مکمل کرتے ہی اُس کے آنسو بہنے لگے۔سانسیں اٹک رہیں تھیں یا شاید وہ ہچکیاں تھیں۔ قلم بند کر واپس اُس کی جگہ پر رکھا اور خط موڑ کر بکسے میں ڈال دیا۔کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے وہ چھت کو تکنے لگی۔وہیں بیٹھے بیٹھے وہ سو گئی تھی۔اپنا حالِ دل قلم سے اتارنا بڑا بھاری کام ہے اگر کوئی سمجھے تو۔۔۔۔

نجانے وہ کس پہر مشعل کو سلا کر اپنے کمرے میں آیا۔شاہ میر اُس کے کمرے میں صوفے پر ہی ٹیک لگائے سو چکا تھا۔پاؤں زمین پر لٹکے تھے۔وہ شاید اُس کا منتظر تھا۔ آرزا داس مسکراہٹ مسکرا کر اُس تک گیا تو دیکھا اُس کے پاؤں اب بھی جوتوں کی قید میں تھے۔آرز نے جھک کر اُس کے جوتے اُتارے۔وہ سچ میں اگر خود کو آرز کا دوست

کہتا تھا تو ٹھیک کہتا تھا۔ شاہ میر پل پل اُس کے ساتھ رہا تھا۔ سب گاؤں واپس جا چکے تھے لیکن شاہ میر بخاری، وہ وہیں رہا تھا۔۔۔ مجال تھی جو کسی کے کہنے پر بھی ہل جاتا۔

آرز جانتا تھا کہ شاہ میر اب حیام کو لے کر اُس سے کچھ اختلاف رکھتا تھا لیکن وہ تمام باتیں الگ تھیں۔ وہ دوستی نبھانا جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ رشتوں کے درمیان اختلافات کبھی ضرورت پڑنے پر جتائے نہیں جاتے بلکہ ایک دوسرے کو ڈھانپ لیا جاتا ہے۔ شاہ میر نے بھی آرز کو ڈھانپ لیا تھا۔ وہ وہیں شاہ میر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ جوتے اُتار کر پاؤں سامنے پڑی میز پر پھیلائے۔ آج پہلی مرتبہ وہ حیام بخاری کو نہیں سوچ رہا تھا۔ آج وہ اپنی ماں، اپنی بہن، اپنے بھائی اور سب سے بڑھ کر اپنے باپ کو سوچ رہا تھا۔ اُس کی رات اپنوں کی فکر میں کھلی آنکھوں ہی گزرنی تھی، یہ تو طے تھا۔

اُس کی آنکھ کان پڑتی فجر کی آذان سُن کر کھلی۔ وہ وہیں کرسی پر سوئی ہوئی تھی۔ اُس کا دوپٹہ ڈھلک کر کچھ اس کی گود میں جبکہ کچھ زمین پر تھا۔ اُس نے ارد گرد نظر گھماتے اطراف کا جائزہ لینا چاہا تو اپنا کمرہ پہنچان کر پر سکون ہوئی۔ نگاہیں سامنے کھلی پڑی ڈریسنگ کی میز نما دراز پر پڑی جہاں رات وہ خط لکھ رہی تھی۔ تمام چیزیں ویسے ہی

ترتیب سے پڑی تھیں۔اُس نے سیدھے ہو کر لکڑی کا بکسہ کھولا تو سامنے وہ خط موجود تھا جو اُس نے لکھا تھا مطلب کہ وہ خواب نہ تھا،ایک حقیقت تھا۔ سرد آہ بھرتی وہ اُٹھی، ہینڈل پکڑ کر واپس دراز کو دھکیلا تو ڈریسنگ پہلی سی حالت میں واپس آگئی۔آئینے میں خود کو دیکھا تو چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے سے نشانات اب بھی تھے۔ پیچھے منظر پر سنائی دیتی آذان ہو چکی تھی۔اب اُسے پہلا کام فریش ہو کر نماز ادا کرنا تھا،اُسے سکون کی ضرورت تھی۔

وہ نماز ادا کر ڈوپٹہ اچھے سے خود پر پھیلاتی کمرے سے نکل منال کے کمرے کی جانب چل دی۔ منال اُسے راستے میں ہی مل گئی۔

"تمہارے پاس ہی آرہی تھی میں۔"

"خیریت؟"

منال اُس کو اپنے ساتھ لیے اوپر سیڑھیوں کی جانب چل دی۔

"ہاں،ویسے ہی۔شاہ ویر کدھر ہے؟"

سیڑھیاں عبور کرتی حیام نے اُس سے سوال کیا۔

"کرن لے گئی ہے اُسے، چائے لے کر آجائے گی وہ بھی۔ تمہارے لیے بھی بنوائی ہے میں نے۔"

وہ اب اوپر پہنچ گئیں تھیں۔ منال نے آگے بڑھ کر چھت کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھولتے ہی ٹھنڈی ہوا چلتی محسوس ہوئی۔ وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئیں۔ حیام باہر نظر آتے دودھیا اور آسمانی رنگ کا امتزاج سمیٹے آسمان کو تک رہی تھی۔

"تمہیں ایسا کیوں لگا تھا کہ مجھے لکھنے کی ضرورت پڑ جائے گی؟"

حیام نے سوال پوچھا۔ نگاہیں اب بھی باہر آسمان پر ہی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آہاں!! مطلب کے تم نے وہ کھول لیا۔"

"ہمم!"

"یوں ہی تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تو معلوم ہو گیا تھا کہ محبت کی مار جسے پڑ جائے، اُسے محبوب سے گفتگو راحت بخشتی ہے۔ پھر سوچا کہ۔۔۔؟"

منال بہت غور سے اُس کو تک رہی تھی۔

"کہ۔۔؟"

"کہ ایسا کون سا راستہ ہے جس سے تم محوِ گفتگو ہو سکو۔ ہر راستہ کھنگھالا لیکن کچھ بھی نہ ملا۔ پھر یاد آیا کہ ایک یہی راستہ ہے جو برسوں سے اپنایا جاتا رہا ہے۔"

منال کی بات پر حیام ہنس دی۔

"اچھا، اور کسے جانتی ہو تم جو یہ راستہ طے کر چکا ہے؟"

اب کے حیام اُسے دیکھ رہی تھی لیکن منال نے چہرہ باہر کھلے آسمان کی جانب کر لیا۔

"باجی بیگم۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry

"باجی بیگم کون؟"

حیام نے سوال کیا۔

"اماں کی بیٹی ہیں اور ہماری پھپھو۔ اسی حویلی میں رہتی ہیں۔"

"کیا واقعی؟ کتنے راز ہیں اس حویلی میں منال؟"

حیام کے لہجے میں بے سکونی اُبھری۔

"بہت سارے۔۔۔۔۔۔"

حیام کے چہرے پر کچھ جان لینے کو بے چینی تھی۔

"یہ لو چائے بہنوں وہ بھی گرم گرم۔۔۔"

کرن چائے لیے وہیں آ بیٹھی۔

"شاہ ویر کدھر ہے؟"

منال نے اُسے نہ پا کر سوال کیا۔

"مناہل لا رہی ہے اُسے۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اُس کے کہنے کی دیر تھی کہ مناہل، شاہ ویر کو گود میں اُٹھاتی وہیں آ بیٹھی۔

"سلام! آپیوں۔۔۔"

اُس کے یوں کہنے پر وہ سب ہنس دیں۔ شاہ ویر کو حیام اپنی گود میں لے چکی تھی۔ سب چائے کے کپ پکڑے ماحول سے لطف اندوز ہو رہیں تھیں۔ حیام نے گہری سانس بھر کر چائے کا کپ پکڑا اور گرم گرم گھونٹ بھرا۔ اُسے وہ پھیکا سا مشروب اچھا لگا تھا یا شاید وہ جس کے لیے وہ پی رہی تھی اُس کا دل راضی کو چکا تھا۔

"تم میٹھا نہیں پیتی اس لیے تمہارے لیے پھیکی چائے بنوائی ہے۔"

منال نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو تم سب کیوں یہ پھیکا زہر پی رہے ہو؟"

اُس کے سوال پر کرن ہنس دی۔

"بے فکر رہو۔۔۔ہم سب میٹھی چائے ہی پی رہے ہیں۔"

کرن نے ٹرے پر رکھی شوگر پاٹ ہاتھ میں پکڑ حیام کے سامنے کر جواب دیا۔حیام مسکرائی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تم مجھے کچھ بتا رہی تھی۔۔؟"

حیام نے چہرہ منال کی جانب کرتے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔"

وہ بولتے بولتے رکی۔

"مناہل!! جاؤ میرا بیٹا بڑوں نے بات کرنی ہے۔"

مناہل نے جواباً حیام کو یوں دیکھا جیسے کہ کہہ رہی ہو دیکھا میں کہہ رہی تھی نا۔

"بیٹھی رہو مناہل۔۔جو بات ہو گی اس کے سامنے ہو گی،اب چھوٹی بچی نہیں ہے۔"

حیام کی بات پر مناہل چہرہ جھکائے مسکرادی جبکہ منال نے اُسے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"اماں،اکلوتی اولاد تھیں۔اُس زمانے میں سیدوں کو جو عزت ملتی تھی وہ آج سے دوگنا زیادہ تھی۔خاندانی جائیداد ورثے میں بھری پڑی تھی اور وارث صرف اکلوتی اماں۔۔۔نہ کوئی آگے اور نہ کوئی پیچھے۔اب تو سیدوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر سی ہو گئی ہے لیکن تب ہر اگلے جاننے والوں میں کوئی نہ کوئی برادری کا سید نکل آتا۔اماں کی شادی کی عمر ہوئی تو اُن کے ماں باپ کو یہ فکر کھا گئی کہ نجانے کہاں اپنی بیٹی کے نصیب ملے ہوں گے؟اپنے خاندان میں تو بہت سے رشتے خود چل کر آئے،اماں کا حسن ہی ایسا تھا کہ ہر کوئی خواہش کرتا کہ اُن کی بہو بن جائیں۔"

منال رکی۔کپ میں موجود چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور کپ واپس رکھ دیا۔ایک مرتبہ پھر بات کا آغاز کیا گیا۔

"لیکن پھر کسی نہ کسی وجہ سے اماں لوگوں کی طرف سے انکار ہو جاتا اور کہتے ہیں نا کہ جہاں نصیب ہوں ہی ناوہاں جتنا مرضی ہاتھ پاؤں مار لو بات بنتی ہی نہیں ہے۔اماں کے معاملے میں بھی ایسا ہی تھا۔""

وہ تینوں بڑے غور سے اُس کی کہانی سُن رہیں تھیں۔کرن تو وہ کہانی پہلے سُن چکی تھی لیکن مناہل کے لیے وہ نئ تھی۔

"پھر ایک دن اماں کے لیے ایک اور رشتہ چل کر آیا۔دور پڑے سے کوئی رشتہ بھی نکلتا تھا اُن سے لیکن اتنے سالوں سے کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی تو جان پہچان نہ ہونے کے برابر تھی۔لڑکے والے سادات تھے،یوں کہہ لو کہ اماں کی برابری کا رشتہ نکل آیا تھا۔نہ پیسے کی کمی اور جائیدادوں،زمینوں کی بھرمار۔۔۔رشتے کی بات چلی،یہاں سے فوراً ہاں ہو گئی۔ہاں کہنے کو یہ بات ہی کافی تھی کہ وہ سید زادے تھے۔"

وہ سانس لینے کو رکی۔

"شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔رخصتی کی تاریخ طے پا گئی اور تو اور طے شدہ تاریخ اور وقت پر بارات چل کر آ بھی گئی۔لیکن۔۔۔۔۔۔"

منال رکی۔

"لیکن۔۔۔؟؟"

حیام نے سوال کیا۔

"لیکن عین وقت پر معلوم ہوا کہ وہ لڑکا جس سے نکاح ہونا تھا وہ سید زادہ نہیں تھا۔ وہ اُن لوگوں کا سگا بیٹا نہ تھا۔ اُن کے مطابق اس بات سے کیا فرق پڑتا تھا کہ وہ سگا تھا یا نہیں، یہ بات کافی تھی کہ وہ سیدوں کی سرپرستی میں تھا۔ لیکن اُن کو کوئی بتاتا کہ غیر سیدوں کو سید کہلانا کس قدر عذاب ہے۔ یہ بات تو خدا قرآن شریف میں خود کہتا ہے کہ لے پالک تمہارے سگے بیٹے نہیں ہیں۔ اُن کو اُن کی ولدیت سے پکارو اور تم سوچو کہ ایک سید زادی کا نکاح غیر سید سے کردو تو پوری نسل خراب، نصب سے ہی منہ پھیر لیا جاتا ہے۔"

"پھر کیا ہوا؟"

حیام نے پھر سوال کیا۔

"پھر کیا ہونا تھا؟ بارات واپس لوٹا دی گئی۔"

حیام نے حیرانی کے مارے اپنے ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپا۔ کتنی ہی دیر وہ یونہی بیٹھی رہی۔ سب خاموش تھے۔ مناہل بھی بہت غور سے وہ سب سن رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ کچھ بولتی سعدیہ وہاں چلی آئی۔

"سلام!! آپ سب کو اماں بیگم بلا رہی ہیں۔ ناشتے کا وقت نکل رہا ہے۔"

"چلو بھئی حیام اُٹھو۔۔۔ آج تو مزہ آئے گا۔ آج باورچی خانہ ہمارا ہے، ہم جو جی چاہے کر سکتے ہیں۔"

لیکن حیام ابھی تک جو کچھ وہ سُن چکی تھی اُس کے اثر میں تھی۔

"کیا واقعی؟"

کرن نے سوال کیا۔

"ہاں، اماں نے خود اجازت دی ہے۔"

منال نے ایک مرتبہ پھر جواب دیا۔

"میں بھی مدد کروں گی۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مناہل نے شوق سے اجازت چاہی۔

"جی بالکل، یہ جو آپ کی اماں بیٹھی ہیں انہوں نے کسی اجازت کا سوال ہی ختم کر دیا ہے۔آپ اب سب کچھ کر سکتی ہیں۔"

اُس کی بات پر کرن اور مناہل دونوں ہنس دیں۔منال نے حیام کی گود سے شاہ ویر کو لے سعدیہ کو پکڑایا۔

"چلو بھئی، اسے جا کر اماں کو دے دو اور واپس باورچی خانے میں آؤ، بہت کام کرنا ہے۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام واپس وقتی طور پر حواسوں میں واپس آچکی تھی۔وہ سب اُٹھ کر آگے پیچھے سیڑھیاں اُترنے لگیں۔

آرزا اور شاہ میر اس وقت کمرے میں موجود تھے۔آرزا نے موبائل پر کوئی غزل چلا رکھی تھی۔وہ دونوں اس وقت غزل کے بول سُنتے کھوئے ہوئے تھے۔

اگرچہ میں اک چٹان سا آدمی رہا ہوں

مگر ترے بعد حوصلہ ہے کہ جی رہا ہوں

وہ ریزہ ریزہ مرے بدن میں اتر رہا ہے

میں قطرہ قطرہ اسی کی آنکھوں کو پی رہا ہوں

تری ہتھیلی پہ کس نے لکھا ہے قتل میرا

مجھے تو لگتا ہے میں ترا دوست بھی رہا ہوں

کھلی ہیں آنکھیں مگر بدن ہے تمام پتھر

کوئی بتائے میں مر چکا ہوں کہ جی رہا ہوں

کہاں ملے گی مثال میری ستم گری کی

کہ میں گلابوں کے زخم کانٹوں سے سی رہا ہوں

نہ پوچھ مجھ سے کہ شہر والوں کا حال کیا تھا

کہ میں تو خود اپنے گھر میں بھی دو گھڑی رہا ہوں

ملا تو بیتے دنوں کا سچ اس کی آنکھوں میں تھا

وہ آشنا جس سے مدتوں اجنبی رہا ہوں

بھلا دے مجھ کو کہ بے وفائی بجا ہے لیکن

گنواں نہ مجھ کو کہ میں تری زندگی رہا ہوں

وہ اجنبی بن کے اب ملے بھی تو کیا ہے محسن

یہ ناز کم ہے کہ میں بھی اس کا کبھی رہا ہوں

(محسن نقوی)

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غزل ختم ہو چکی تھی۔ وہ دونوں کتنی دیر یونہی خاموش بیٹھے رہے۔ شاہ میر کی نظروں کا رخ آرزو پر ٹکا تھا جبکہ وہ زمین کو گھورنے میں مصروف تھا۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا یا شاید فیصلہ اور پھر وہ بول اُٹھا۔

"شاہ میر!! تو واپس حویلی چلا جا۔ سب تیرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وہ اُسے دیکھ نہیں رہا تھا۔

"میں کیسے جا سکتا ہوں؟ میں نہیں جاؤں گا۔"

"میں کہہ رہا ہوں نا کہ تو جا۔۔۔امی کی عدت کا عرصہ پورا ہو جائے تو امی اور مشعل کو چچا چچی کے ساتھ وہیں بھیج دوں گا۔اور کوشش کروں گا کہ بازل بھی پری کو لے کر وہیں چلا جائے۔"

وہ یقیناً فیصلہ کر چکا تھا۔

"اور تو؟"

"میں؟ میں یہیں رہوں گا۔"

"اکیلا؟"

وہ اُس کے لیے پریشان تھا۔

"ہاں، کسی کو تو یہاں رہنا ہو گا نا۔کام بھی دیکھنا ہے سب کچھ چھوڑا تو نہیں جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے، پھر میں تیرے ساتھ یہاں رہوں گا۔"

"میں نے کہہ دیا نا کہ نہیں، بس ضد مت کر۔واپس چلا جا، خالہ اماں کو تیری ضرورت

ہو گی۔"

شاہ میر مجبور ہو گیا۔ وہ بھی ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ اماں کو اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ ایک وہی تو تھا جو دن دہاڑے حویلی کے اندر آ جا سکتا تھا۔ اُسے واپس جانا پڑے گا۔ اُس نے بہت بھاری دل سے یہ فیصلہ کیا تھا۔

❤ جاری ہے ❤

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین